اسلام میں معیارِ فضیلت

(سیّد اسعد گیلانی)

ہر اجتماعیت میں فرد کے لیے ایک معیارِ فضیلت ہوتا ہے جس کو اختیار کر کے کوئی فرد شرف حاصل کرتا اور ترک کر کے ذلت سے دوچار ہوتا ہے۔ عالمگیر سچائیاں بلاشبہ سب کے لیے اعزاز کا مشترک سرمایہ ہوتی ہیں لیکن اس معاملہ میں بھی اسلام اور کفر کے تصوراتِ شرف و اعزاز اور معیارِ فضیلت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور یہ فرق الٰہی ہدایات سے فیض یاب ہونے یا ان ہدایات سے محروم ہونے کا فرق ہے۔

الٰہی ہدایات سے محروم انسانی معاشرے میں فضیلت کا معیار ہمیشہ غیر معمولی صفات کی بنا پر رہا ہے۔ معمول سے بڑھی ہوئی ہر صفت نے انسانی ذہن کو ہمیشہ قوت سے اپنی طرف کھینچا ہے اور انسان اس کے ساتھ اپنے غیر معمولی جذباتِ عزت و نفرت یا خوف و حقارت وابستہ کرنے پر مجبور ہوتا رہا ہے۔ پرانی تہذیبوں اور تاریخ انسانی میں مختلف معاشروں کے تصوراتِ عبودیت پر ہی اگر نظر ڈالی جائے تو عجیب و غریب قسم کے نمونے مرتب ہو کر سامنے آتے ہیں۔ یونانی علم الاصنام اور ہندو میتھالوجی کا سرسری سا مطالعہ بھی ہمارے سامنے ان پیچ در پیچ تصوراتِ فضیلت کے معیار لاتا ہے جن کی تعداد کا گننا ایک امرِ محال ہے۔ انسان کے لیے اپنے دورِ جاہلیت اور بے شعوری میں ہر غیر معمولی چیز اور صفت کے آگے سرِ تسلیم خم کر دینا اس کا ایک عام طرزِ عمل رہا ہے۔ خدا کی ہدایت سے عاری کہانیاں میں غیر معمولی حسین، دلکش، قوی، نافع، مضر، خوفناک، بھیانک، وسیع، ہیبت ناک، جسیم، چمکدار، قیمتی اور نایاب چیز کے سامنے سرِ عبودیت جھکا دینا انسان کے دورِ جاہلیت کی ایک معمولی لیکن افسوسناک یادگار ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوؤں کے ہاں غیر معمولی صفات کی ہر چیز دیوتاؤں میں شامل ہوتی چلی گئی اور فضیلت کا یہ معیار اتنا وسیع ہوا کہ پھر پہاڑ، درخت، چوپائے، حسین عورتیں، ظالم مرد، آتش فشاں پہاڑ، دریا، بارش، ندی نالے، سمندر، چاند، سورج، ستارے، زمین اور نہ معلوم کیا کیا کچھ ان کی ذہنی پستی سے سندِ فضیلت حاصل کر کے مقامِ ربوبیت پر فائز ہوتے چلے گئے۔ ان کے ہاں جو غیر معمولی آیا وہ دیوتا اور دیوی ہی بن کر رہا۔ یونانیوں کے ہاں بھی اسی طرح دیوی اور دیوتا بنتے رہے یہاں تک کہ ان کے اپنے آباؤ اجداد جو ذرا نیک اور مشہور ہوئے وہ بھی ان کے صنم خانوں کی زینت بن گئے۔

یہ خالص مشرکانہ معیارِ فضیلت رہا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ بھی معرفتِ الٰہی کے جن تدریجی مدارج میں سے گزرے ہیں ان

مدارج میں بھی جھلکتی ہوئی اور بڑی چیز سندِ فضیلت کے ساتھ سامنے آئی۔

"هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ" سے اس معیار کا اندازہ ہوتا ہے۔

پھر ہم مختلف معاشروں میں فضیلت کے اس معیار کو مختلف انداز اور مختلف رنگوں میں پاتے ہیں۔ قبائلی زندگی میں سب سے زیادہ فضیلت انہی کی رہی جو فنونِ سپہ گری میں طاق اور شجاعت میں بہادری میں نامور رہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک کسی مخصوص خاندان یا برادری یا نسل میں پیدا ہونا وجہِ فضیلت سمجھا جاتا رہا۔ بعض نے کسی خاص قوم سے وابستگی، کسی خاص ملک کی پیدائش، کسی خاص خطۂ زمین سے تعلق کو وجہِ فضیلت قرار دے لیا۔ بعض نے رنگ کی سرخی اور سفیدی، زردی اور سیاہی کو ہی انسانی بڑائی اور چھوٹائی، فضیلت اور کمتری کا معیار قرار دے لیا۔ بعض کے نزدیک کسی دریا کے پار کسی پہاڑ کی حد بندی یا کسی سمندر کے کنارے کی رہائش ہی بزرگی کے لیے دلیل بن گئی۔

پھر ملوکیت کے دور سے گزر کر آج کی سرمایہ دارانہ جمہوریتوں میں اب فضیلت کا پیمانہ زر ہو گیا ہے۔ کاریں، بنگلے، بھاری بنک بیلنس، کلبوں کی ممبریاں، پارٹیوں کی شرکت، اور روپے کی ریل پیل میں رہنا ہی وجہِ افتخار بن گیا۔ اور کسی کے گھٹیا سمجھے جانے کے لیے یہ بہت کافی قرار پایا کہ اس کے پاس عمدہ سے عمدہ سوٹ نہ ہوں اور وہ بہتر سے بہتر ہوٹلوں میں دوستوں کو دعوت نہ دے سکتا ہو۔ اور نہ ہی آج کی زرکشی کی تفریحات اور روپے کی ریل پیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے سکتا ہو

پھر انہی سرمایہ دارانہ لادینی جمہوریتوں میں علم و فن کے اس استعمال کو بھی قابلِ فخر اور موجبِ افتخار سمجھا جاتا ہے کہ آدمی پوری خوبصورتی سے جھوٹ بول سکتا ہو، اور اس جھوٹ کو سچ کے لبادے میں پیش کرنے کی مہارتِ تامہ رکھتا ہو۔ مکاری اور عیاری میں طاق ہو۔ فریب اور دھوکے میں یدطولیٰ رکھتا ہو۔ وعدہ صرف اس لیے کرے کہ اسے پورا کرنا مقصود نہ ہو، اور اخلاقی اقدار اس کے نزدیک محض اضافی حیثیت رکھتی ہوں۔ ایسا شخص ایک عمدہ ڈپلومیٹ اور معزز سیاست دان سمجھا جاتا ہے اور اس کا یہ حق ہو جاتا ہے کہ وہ قومی اور ملکی معاملات میں ماہرانہ، قائدانہ اور لیڈرانہ حصہ لے اور قوم اور ملک کی رہنمائی کرے۔

جدید تصورِ قومیت میں آج نسل، رنگ، وطن اور زبان کو مستقل معیارِ فضیلت بنا لیا گیا ہے اور ان معیاروں کی اوٹ میں ہر گورے کو حق حاصل ہو گیا ہے کہ وہ کالے اور زرد پر بم گرا کر ختم کر دے۔ ہر قوم کو حق حاصل ہو گیا ہے کہ وہ دوسری قوم کے زن و مرد کو توپوں سے اڑا دے۔ ہر ملک کو حق حاصل ہو گیا ہے کہ وہ دوسرے

ملک کی زمینوں اور باغات کو آگ میں جھونک دے۔ اور ہر زبان بولنے والے کو حق حاصل ہو گیا ہے کہ وہ دوسری زبان بولنے والوں کو کتوں سے بھی بدتر سمجھے۔ اگر ہم ان معیاروں کو عقل کی کسوٹی پر پرکھیں تو ان کا کھوٹ پوری طرح کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ اگر کوئی شخص گز بھر زمین پر پیدا ہونے کے باوجود کئی ہزار مربع میل کے رقبے کو اپنا وطن قرار دے لیتا ہے تو وہ اسی دلیل کی رو سے سارے کرۂ ارضی کو اپنا وطن کیوں نہیں قرار دے سکتا؟ اگر ایک ہی خیال مختلف زبانوں میں ادا ہو سکتا ہے اور مختلف زبانیں بولنے والے اس ایک خیال پر متفق ہو سکتے ہیں تو پھر زبان کو افتراق و جدائی کا مظہر قرار دینا بہت بڑی کوتاہی ہے۔ انسان میں اصل قوتِ کار اس کی روح ہے جسم نہیں۔ اور روح کا کوئی رنگ نہیں ہے۔ جس طرح ہم سُرخ اور سفید گائے کے دودھ میں فرق نہیں کرتے اسی طرح کالے اور گورے انسان میں بھی اس کے رنگ کی بنا پر فرق کرنا سب سے بڑی کوتاہ بینی ہے۔ اسی طرح نسل کا افتخار بے معنی ہے۔ اگر ہم نسل کے سلسلے کو آخری حدود تک لے جائیں تو سب انسانوں کے رشتے ان کے پہلے باپ اور ماں سے جا ملتے ہیں۔ اس طرح فضیلت کے ان معیاروں کا کھوکھلا پن کھُل کر سامنے آجاتا ہے۔

اسی لیے فضیلت کے ان لاتعداد معیاروں کے ڈھیر پر اسلام یک قلم خطِ تنسیخ کھینچ دیتا ہے۔ وہ اپنا ایک نرالا فلسفۂ فضیلت اور نرالا ہی معیارِ بزرگی رکھتا ہے وہ تمام پیچ در پیچ اور فضیلت کے ان بودے پیمانوں کو توڑ کر اپنا الگ پیمانہ پیش کرتا ہے۔ وہ عین اس عالمِ وجود کے وسط میں حیاتِ انسانی کے سینے پر اپنا میزانِ فضیلت گاڑ دیتا ہے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (تم میں سب سے معزز وہی ہے جو سب سے بڑھ کر اللہ سے ڈرنے والا ہے)

حضورؐ نے فرمایا "پرہیزگاری کے سوا اور کسی چیز کی بناء پر ایک شخص کو دوسرے شخص پر فضیلت نہیں ہے۔ سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے"۔

فرمایا "نہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت ہے اور نہ عجمی کو عربی پر۔ تم سب آدم کی اولاد ہو"۔ فتح مکہ کے موقع پر فرمایا "سن رکھو کہ فخر و ناز کا ہر سرمایہ، خون اور مال کا ہر دعویٰ، آج میرے ان قدموں کے نیچے ہے"۔

پھر فرمایا۔

"اے لوگو تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم مٹی سے بنے تھے، نسب کے لیے کوئی فخر نہیں ہے، عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر کوئی فخر نہیں ہے، تم میں سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے"۔

اسلام نے فضیلت کے تمام غیر الٰہی نظریات کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ نسل کے بُت پر اس نے یہ کہہ کر ضرب

لگائی۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً (النساء)

"خدا نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا پھر اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو دُنیا میں پھیلا دیا۔"

مزید ارشاد ہوا۔

"اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو گروہ اور قبائل بنا دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت تم میں سب سے معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔" (سورہ الحجرات)

حضورؐ نے فرمایا:

"جس نے عصبیت پر جان دی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ جس نے عصبیت کی طرف بلایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ جس نے عصبیت پر جنگ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

مزید فرمایا: "وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو لوگوں کو عصبیت کی طرف بُلاتا ہے۔"

غرض بحیثیت انسان اور آدم کی اولاد ہونے کے اسلام میں کسی شخص کو کسی دوسرے شخص پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اسلامی معاشرے میں انسان کے بنیادی حقوق سب کے لیے مساوی اور برابر ہیں۔ اسلامی نظام میں کسی کے بچوں کو اس لیے بہترین تعلیمی اور رہائشی سہولتیں میسر نہیں آسکتیں کہ وہ بچے امیرالمومنین کے بچے ہیں اور کسی کے بچے صرف اس لیے گلیوں میں خاک چھانتے نہیں پھر سکتے کہ وہ کسی غریب کی اولاد ہیں۔ اسلام میں ہر فرد کو پورا پورا حق حاصل ہے کہ وہ تمام امتیازات سے قطع نظر اپنا انسانی حصہ وصول کرے اور اپنے طبعی جسم کو برقرار رکھنے کے لیے اپنی ضروریات کو حاصل کرے۔ ریاست کے قانون میں دونوں کی حیثیت یکساں ہے۔

خاندان اور قوم کے فخر کے غباروں میں سے بھی اسلام نے ہوا نکال دی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا "اے عبدالمطلب کی اولاد اپنے نفسوں کو آگ سے چھڑاؤ کیونکہ میرا رشتہ تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔" پھر فرمایا "اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ دوزخ سے چھٹکارا پانے کی کوشش کر، کیونکہ میرا رشتہ تجھ کو خدا کے ہاں مفید نہیں ہو سکتا۔"

لیکن اگر کچھ مفید ہو سکتا ہے اور جو کسی کے لیے وجہِ فضیلت بن سکتا ہے۔ تو وہ "تقوٰی" ہے چنانچہ اسلام کے ہر داعی حضرت نوحؑ، حضرت صالحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت موسٰیؑ، حضرت لوطؑ سب نے اپنے اپنے

دور میں اپنی اپنی قوم کو اللہ کی عبادت اور اس کے تقویٰ کی طرف ہی بلایا۔

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ "اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارے لیے اور کوئی معبود نہیں"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی حکم ہوا۔ "اے چادر لپیٹنے والے کھڑا ہو، اور لوگوں کو ڈرا"

چنانچہ اللہ کی عبادت اور بندگی ہی وہ ایک معیار ہے جو انسان اور انسان میں فرق پیدا کرتی ہے۔ بحیثیت انسان کے ایک کافر بھی اور ایک مومن بھی، ایک سرکش بھی اور ایک اطاعت گزار بھی دونوں خدا کے بندے ہیں۔ لیکن بحیثیت بندہ ان کے ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ عبادت کا مطالبہ صرف رکوع و سجود اور تسبیح و تہلیل تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ مطالبہ یہ ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ بھی خدا کی اطاعت اور بندگی سے باہر نہ ہو، اور خدا کی عین مرضی کے مطابق کام کرے۔ انفرادیت اور شخصیت ہی نہیں بلکہ اجتماعیت میں بھی انسان کی سیاست، معیشت اور معاشرت کی گاڑی اسی کی اطاعت کی پٹڑی پر چلے۔

اس انفرادی اور اجتماعی عبادت کو بجا لانے کے سلسلے میں جس سعی و جہد، جس ذوق و شوق، جس عشق و محبت، جس وارفتگی اور جاں نثاری کا اظہار کسی شخص سے ہوگا اسی قدر فضیلت کے ترازو میں اس کا وزن زیادہ نکلے گا۔

لیکن عبادت کو خالص اور زندگی کے ہر پہلو پر صبر و ثبات سے حاوی کرنے کے لیے جس چیز کی ضرورت ہے وہ ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات پر پورا یقین و اذعان ہونا، اس کی رزاقی پر مکمل بھروسہ، اس کے عالم الغیب ہونے پر کامل یقین، اس کے رحیم و کریم ہونے پر اعلیٰ درجے کا توکل، اس کے مالک یوم الدین ہونے پر سچے دل سے پختہ یقین، اس کے احکام پر عمل کرنے کا انتہائی ذوق و شوق اور ان سے انحراف کرنے سے شدید خوف و ہراس، اس کی حرام کردہ چیزوں سے کلی اجتناب، اور اس کے اوامر پر عمل کرنے کی بے انتہا لپک، اس کی پسند کو دل سے اپنی پسند سمجھنا، اور اس کی ناپسند کو اپنی روح کی گہرائیوں سے ناپسند کرنا، اس کی وفاداری کے مقابلے میں دوسری تمام وفاداریوں کو ہیچ سمجھنا، اور اس کی اطاعت کو تمام اطاعتوں پر حاوی کر دینا، غرض ایمان کی ان ٹھوس بنیادوں پر عمل کو استوار کرنا ہی حقیقی مُسلم ہونا ہے۔ اللہ کے حکم کے تحت کسی سے جڑ جانا اور اسی کے حکم کے تحت کسی سے کٹ جانا، اور عمل کے ہر گوشے سے اس بات کا اظہار ہونا کہ اس کے دل و دماغ کے کسی کونے میں غیر الٰہی محبت و اطاعت کا کوئی بُت باقی نہیں رہا ہے۔ مُسلم ہونے کی ان ضروری شرائط کے ساتھ جب اللہ کے ڈر اور خوف کی اتنی آمیزش ہو جائے کہ انسان ہر دم اس کے احکام پر عمل کرنے کے لیے کمربستہ رہے، اس کے ہر فعل سے مکمل اطاعتِ خداوندی کا اظہار ہو، اس میں خدا کے ہاں جواب دہی کا احساس ایک جیتا جاگتا جذبہ

اور ایک مُنہ بولتی حقیقت ہو، اس کی حس اتنی تیز ہو کہ وہ خدا کے حکم سے خفیف سے خفیف غیر شعوری انحراف کو بھی اپنے نفس کی تہ میں جانچ لے اور اسے وہیں قتل کر دینے پر آمادہ رہے، وہ پوری ذمہ داری سے اپنی زندگی کا بار بار جائزہ لے اور ہر گھڑی محاسبہ کرے کہ اس کی کوئی حرکت منشائے الٰہی کے خلاف نہ ہو، تو اسی کیفیت کا نام تقویٰ ہے اور اسی پر فرمایا گیا ہے کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ اسی تقویٰ کو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے معیارِ فضیلت قرار دیا ہے اور اسی کیفیت کو سندِ بزرگی عطا کی گئی ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ کی ناراضگی سے بچو۔ جو خدا کے غضب سے ڈرتا ہے وہ پورا پورا کامیاب ہوا۔ پرہیزگاری مراتب کو بلند کرتی ہے۔"

فرمایا، "مبارک ہے وہ شخص جس کے اخلاق اچھے ہوں، دل پاکیزہ ہو، اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے۔"

ایک جگہ آپ نے مُنصف، سخی اور نیک حاکم کو جنتی قرار دیا۔ رشتہ داروں اور مسلمانوں کے ساتھ مہربانی کرنے والے نرم دل آدمی، عیالدار، باعفت اور سوال سے بچنے والے کو بھی جنت کی خوشخبری دی۔ اس لیے کہ یہ صفات تقویٰ کی ضروری شرائط ہیں۔ کمزور، بے شعور، آوارہ گرد، خیانت کرنے والے اور دھوکہ دینے والے کو دوزخ کی وعید سنائی گئی اس لیے کہ یہ صفات تقویٰ کی عین ضد ہیں۔

پھر فرمایا "جس کو آخرت کا خیال ہو اللہ اس کے سارے کام درست کر دے گا اور جو دُنیا کے غم میں پریشان ہو اللہ اس کے سارے کام پراگندہ کر دے گا۔"

فرمایا "معاہدوں کو پورا کرو۔ خدا پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔"

فرمایا "جاہلیت کے تمام مفاخر بند کیے جاتے ہیں۔"

ایک موقع پر فرمایا "خدا کے نزدیک معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔"

اسلام کے پیشِ نظر صالح افراد کو چُن چُن کر اوپر لانا ضروری ہے تاکہ وہ دنیا میں اصلاح کریں اور امن قائم کریں اور انسانوں کو انسانیت کا سبق دیں۔ تقویٰ کے اس معیار پر اگر ایک حبشی بھی پورا اترتا ہے تو وہی اوپر آنے کا حقدار ہے۔ حضورؐ نے فرمایا "سُنو اگر تم پر نکٹا حبشی بھی امیر بنا دیا جائے اور وہ کتاب اللہ کے مطابق تمہیں چلائے تو اس کی بات ماننا اور اطاعت کرنا۔"

پھر کسی فاجر کی قیادت قبول کرنے سے بھی منع فرمایا "کوئی اجڈ گنوار کسی مہاجر کا امام نہ بنے اور نہ کوئی فاجر شخص کسی پارسا مومن کا۔"

قرآن میں فرمایا گیا۔

لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔

"اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی دوست اور محبوب نہ رکھو۔ اگر وہ ایمان کے مقابلے میں کفر کو محبوب رکھیں اور تم میں سے جو کوئی ان کو محبوب رکھے گا وہ ظالموں میں شمار ہوگا۔"

فرمایا گیا "جو اپنے عہد کو پورا کریں اور اللہ تعالیٰ سے ڈریں تو اللہ ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

حکم ہوا "اے محمدؐ کہو کہ میری نماز اور میرے تمام مراسمِ عبودیت، میرا مرنا اور جینا سب کچھ اللہ کے لیے ہے اور سب سے پہلے میں اس کی اطاعت میں سرِ تسلیم خم کرتا ہوں۔"

حکم ہوا "اللہ سے ڈرو اور یاد رکھو کہ تمہیں اس سے ملنا ہے" (سورہ بقرہ)۔ "اللہ سے ڈرو وہ جلد حساب چکانے والا ہے" (سورہ مائدہ)

یہ احکام انسان کو اس کے معیارِ فضیلت کی طرف بلاتے ہیں چنانچہ اس معیار سے ہٹ کر اگر کوئی یہ سمجھے بیٹھا ہو کہ وہ فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہے اس لیے اسے جہنم کی آگ نہ چھوئے گی یا فلاں بزرگ سے اس کا رشتہ ہے اس لیے وہ اسے چھڑا لیں گے یا محض مسجد بنوا کر یا عید میلاد کا جلسہ کروا کر یہ سمجھ لیتا ہے کہ اس نے تقویٰ کا حق ادا کر دیا اور پھر اپنی ساری زندگی کو بکری کے لیے لیے پھرے اور جو جس طرح چاہے اس کی زندگی کو چند ٹکوں کے عوض استعمال کرے تو اس قسم کا فالج زدہ تقویٰ تو شاید ہی خدا کی میزانِ عدل میں کوئی وزن پا سکے۔ اصل تقویٰ تو وہی ہے کہ انسان کی زندگی کا اندر اور باہر ان حدود کے اندر رہے جو خدا اور اس کے رسولؐ نے مقرر فرما دی ہیں۔

حضرت عمرؓ نے حضرت اُبیؓ بن کعب سے تقویٰ کا مفہوم پوچھا۔ انہوں نے فرمایا "امیر المومنین آپ کسی ایسے راستے سے گزرے ہیں جس کے دونوں طرف خار دار جھاڑیاں ہوں؟"

حضرت عمرؓ نے فرمایا "ہاں"

حضرت اُبیؓ نے پوچھا "آپ وہاں سے کیسے گزرتے ہیں؟"

حضرت عمرؓ نے فرمایا "دامن کو سمیٹ کر اور بچا کر گزر جاتا ہوں۔"

حضرت اُبیؓ نے فرمایا "یہی تقویٰ ہے۔"

یعنی انسان خدا کے احکام کی خلاف ورزی سے بچ بچ کر حدودِ شریعت کے اندر رہتا ہوا زندگی گزارے۔ اس

طرح اسلام نے فضیلت و بزرگی کے تمام جاہلی پیمانوں کو توڑ پھوڑ دیا اور اپنے نئے معیارِ فضیلت پر جو سوسائٹی تعمیر کی اس میں ایران کے سلمانؓ بھی تھے جو اپنے آپ کو ابنِ اسلام کہتے تھے اور جن کے متعلق حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ سلمانؓ ہم اہلبیت میں سے ہیں۔ ان میں بازانؓ بھی تھے جن کا نسب شاہانِ ایران سے جا ملتا تھا۔ ان میں حبشہ کے بلالؓ بھی تھے جن کے متعلق حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ "بلال ہمارے آقا کے غلام اور ہمارے آقا ہیں"۔ ان میں روم کے صہیبؓ بھی تھے جنہیں حضرت عمرؓ نے اپنی جگہ امامت کے لیے کھڑا کیا تھا۔ ان میں حضرت ابوحذیفہؓ کے غلام حضرت سالمؓ بھی تھے جن کے متعلق حضرت عمرؓ نے اپنے انتقال کے وقت فرمایا کہ "آج وہ زندہ ہوتے تو میں انہیں خلافت کے لیے نامزد کرتا"۔ ان میں زیدؓ بن حارثہ ایک غلام بھی تھے جن سے رسول کریمؐ نے اپنی پھوپھی کی لڑکی کو بیاہ دیا تھا۔ ان میں حضرت زیدؓ کے بیٹے حضرت اسامہؓ بھی موجود تھے جنہیں رسول کریمؐ نے ایسے لشکر کا سردار بنایا تھا جس میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ فاروق جیسے صحابہ کبار موجود تھے جن کے متعلق حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے سے فرمایا تھا کہ "اسامہ تجھ سے اور اس کا باپ تیرے باپ سے افضل ہے"۔

فتح مکہ کے موقع پر خود قریش نے قریش پر غلبہ حاصل کیا تھا اور ایک اعلیٰ تر مقصد کے لیے خود اپنوں کو مغلوب کیا تھا۔

ایک غزوہ میں عبداللہ بن ابی مشہور منافق نے کہا، "بخدا مدینہ پہنچ کر جو ہم میں عزت والا ہوگا وہ ذلت والے کو نکال باہر کرے گا"۔ اور جب اس بات کی خبر اس کے لڑکے حضرت عبداللہؓ کو ہوئی تو انہوں نے مدینہ پہنچ کر باپ کا راستہ روک لیا، اور تلوار سونت کر کہا کہ "تو مدینہ میں نہیں گھس سکتا جب تک رسول اللہؐ اجازت نہ دیں، تو کہتا ہے کہ جو عزت والا ہے وہ ذلت والے کو نکال باہر کرے گا تو تجھے معلوم ہو کہ عزت صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے ہے"۔ حضورؐ کے حکم پر ہی انہوں نے اپنے باپ کو شہر میں داخل ہونے دیا۔

ایک موقع پر جب کہ حضورؐ قریش کے کچھ سرداروں کو دعوتِ اسلام دے رہے تھے اور اس مجلس میں ابوجہل، عتبہ اور شیبہ جیسے اکابرِ قریش بھی تھے کہ حضرت ابنِ مکتومؓ نابینا صحابی تشریف لائے اور حاضرین کو نہ دیکھ سکنے کی وجہ سے حضورؐ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ حضورؐ نے سردارانِ قریش کو دعوتِ اسلام دینے کے خیال سے حضرت ابنِ مکتومؓ کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس پر تادیبی آیات نازل ہوئیں۔

یہ تھا وہ معاشرہ جو اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ کے اصول پر تعمیر ہوا تھا اور جس اصول پر اگر کوئی اسٹیٹ وجود میں آتا ہے تو اس کے کارکن، اس کے جج، اس کے حاکم اور اس کے چپڑاسی تک بالکل مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں حتیٰ کہ آج کا ایک جج بھی اپنے موجودہ اخلاق کے ساتھ اسلامی عدالت کا کلرک اور چپڑاسی کا اہل نہیں ہو سکتا۔ اسلام جانی بوجھی ہوئی اچھائیوں اور نیکیوں کو معروف کا نام دے کر ان پر انسان کو اکساتا ہے

اور جو لوگ اس مقصد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں انہیں بھلے آدمی اور متقی قرار دیتا ہے اور اسی طرح جانی بوجھی ہوئی بُرائیوں کو منکر کا نام دے کر انسانوں کو ان سے روکتا ہے اور ان کا ارتکاب کرنے والوں کو بُرے لوگ اور فاسق و فاجر قرار دیتا ہے۔ یہی وہ میزانِ فضیلت ہے جو اسلام نے زمانے کے سینہ میں ہمیشہ کے لیے گاڑ دی ہے۔ اور جسے اسی لیے تا قیامت قائم کر دیا گیا ہے تاکہ بنی نوع انسان اس میں اپنے آپ کو تول سکیں۔ اسی میں تول کر اپنے حاکموں اور نمائندوں کو مقرر کریں۔ اسی میں تول کر وہ کسی کو معزز قرار دیں اور کسی کو گرا ہوا سمجھیں۔ لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے اسی میزان کو اپنے درمیان سے اکھاڑ دیا جو خیر اُمتہ کے مخاطب تھے اور جنہیں شہداء علی الناس کا منصب دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد اگر دُنیا گمراہی میں میلوں دُور نکل گئی تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ جب رہنما ہی منزل کھو بیٹھے تو راہرو کی منزل سے دوری حیرت انگیز نہیں ہے۔ اسی میزانِ فضیلت سے ہٹ کر دُنیا نے نسل اور رنگ اور وطن اور زبان کو قومیت کی بنیاد بنایا اور پھر اسی بناء پر ہزاروں جنگیں لڑی ہیں اور تباہیوں کے سیل کے سیل امنڈ امنڈ کر آئے ہیں۔ اور انسانیت کو خاک و خون میں بہا کر لے گئے ہیں۔ نسلِ انسانی نے ہزار بار تباہی کا سامنا کیا ہے اور ہزار بار وہ پھر اسی تباہی کے منبع کی طرف لپک لپک کر گئی ہے۔ اس لیے کہ امن و عدالت اور راستی و صداقت کے ترازو میں انسانوں کا تُلنا موقوف ہو گیا ہے اور فضیلت کے پیمانے اب بھی وہی رائج ہو گئے ہیں جو ہمیشہ سے گُم کردہ راہ انسانوں کے من بھاتے پیمانے رہے ہیں، جو جاہل عصبیت کے ترازو ہیں۔ ان ترازوؤں میں تُل تُل کر انسان ایک دوسرے پر ایٹم بم اور مشین گنیں لے کر دوڑتے ہیں اور ہر وقت تاک میں لگے رہتے ہیں کہ کب ان کا داؤ لگے اور وہ حریف کے کیمپ کو شعلوں کے حوالے کر دیں۔

اس عصبیت اور قوم پرستی نے ایسے لوگ جو سب سے زیادہ شریر، فسادی، ناخدا ترس، مکار و شاطر، وعدہ خلاف اور فریبی تھے۔ ہر جگہ اور ہر قوم میں انسانی گروہوں پر مسلط کر دیے ہیں۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک زمین کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جہاں ایسے بھیڑیے اور ڈاکو اقتدار کی باگیں ہاتھوں میں نہ لیے بیٹھے ہوں جن کے ذہن دن رات یہی سوچنے میں مصروف ہیں کہ وہ کس طرح دنیا پر آگ کی بارش کر سکیں اور کس طرح انسانوں کی پوری پوری آبادیاں ایک ہی وار میں ہلاک کر سکیں۔ جن کی ایجادات کا سب سے بڑا کمال انسانوں کو ہلاک کرنا، زیادہ سے زیادہ تباہ کرنا، اور انتہائی سرعت سے ختم کرنا ہو۔ جن کی سائنس نے اب تک سب سے بڑے کمالات ہلاکتِ انسانی میں ہی دکھائے ہوں۔ جن کی تہذیب ہلاکت، بناوٹ اور دکھاوے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ جن سے بڑا ظالم اور خونخوار ڈاکو آج تک زمانے میں نہیں پیدا ہوا اور جن سے بڑا مردم خوار بھی

کوئی نہیں ہوا۔ جو سب سے بڑے درندے اور بھاری قاتل ہیں۔ آج دنیا کی سربراہی انہیں کے ہاتھوں میں ہے۔ امریکہ میں وہ ایٹم بم بنا رہے ہیں اور روس میں وہ خلائی جہاز تیار کر رہے ہیں کہ کب دنیا میں آگ و خون کا کھیل شروع ہو، اور وہ اپنے اپنے ہتھیاروں سے لیس ہو کر ایک بار پھر دُنیا کو جہنم زار بنا دیں۔ یہ صرف اس لیے ہے کہ اسلام کی پیش کردہ میزانِ فضیلت گر گئی ہے اور اس میں دُنیا کی قومیں تو الگ رہیں خود مسلمانوں نے بھی اپنے آپ کو اور اپنے اکابرین کو تولنا چھوڑ دیا ہے۔ اس میزان کی عدم موجودگی نے دنیا کی سب سے اونچی صف میں سب سے زیادہ خونخوار اور بد اخلاق لوگوں کو جمع کر دیا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ زمانے کا دامن ایسے لوگوں سے کبھی خالی نہیں رہا ہے جنھوں نے بار بار اس میزانِ فضیلت کو قائم کرنے کی جدوجہد کی ہے۔ حضرت امام حسینؓ نے دیکھا کہ اسلام کے نظامِ امامت میں تقوٰی کی میزان گرا کر اس کی جگہ نسل کا معیار قائم کیا جا رہا تھا اور اگرچہ اس وقت قرآنی قوانین ریاست کا آئین تھے۔ تمام فیصلے شریعت کے ماتحت ہی ہوتے تھے لیکن امام حسینؓ انسانوں کے درمیان فضیلت کے ترازو کا اتنا سا جھکاؤ بھی برداشت نہ کر سکے اور کربلا کے میدان میں نسلی اور خاندانی فضیلت کی جاہلیت کو چیلنج کر دیا اور اپنے بہتر پاکباز ساتھیوں کے ساتھ فلاحِ انسانیت کے اس سنہری اصول کے لیے جان دے دی۔

منصور عباسی کے دَور میں کوڑوں کی مار نے امام ابو حنیفہؒ کا خون ایڑیوں تک تو بہا دیا لیکن انہوں نے فضیلت کے لیے تقوٰی کو ہی معیار قرار دیا۔ امام احمدؒ بن حنبل بیس سال تک مسلسل مار کھاتے رہے اور شدید سزائیں بھگتتے رہے لیکن انھوں نے حق کو اس لیے نہیں چھوڑ دیا کہ اس کی مخالفت ایک بادشاہ کی طرف سے کی جا رہی تھی۔ اسی معیار کے قیام کے لیے امام ابن تیمیہؒ نے جیل میں جان دے دی۔ ابراہیم نخعیؒ اسی معیارِ فضیلت کا اظہار کر کے منصور عباسی کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ نے اسی معیارِ فضیلت کو قائم کرنے کے لیے جہانگیر کی جیل میں دن رات گزارے۔ امام غزالیؒ نے تو بادشاہ کے روبرو صاف صاف کہہ دیا "تیرے گھوڑوں کی گردن سازِ زریں سے نہ ٹوٹی تو کیا ہوا؟ مسلمانوں کی گردن تو فاقہ کشی کی مصیبت سے ٹوٹ گئی۔"

اسی میزانِ بزرگی کو پھر نصب کرنے کے لیے بالاکوٹ کے شہیدوں نے جانیں دیں۔ آج اسی میزانِ فضیلت کو قائم کرنے کا دعوٰی لے کر جو لوگ اس ملک میں کام کر رہے ہیں ان کی دعوت یہ ہے کہ دُنیا کی باگ ڈور جو فساق و فجار کے ہاتھوں میں چلی گئی ہے یہی تمام فتنوں کا منبع ہے۔ وہ تمام بندگانِ خدا کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوں، ایک نصب العین کے ساتھ اپنی تمام قوتیں لے کر اٹھیں اور دُنیا کی باگ ڈور ان لوگوں کے ہاتھوں سے چھین لیں جن کے ہاتھوں

میں اقتدار کا رہنا دنیا کی تباہی ہے۔ وہ ہاتھ چاہے غیر مسلموں کے ہوں جن کے لیے سب کچھ حلال ہے اور چاہے مسلمانوں کے ہوں جنہوں نے اپنے لیے ہر حرام کو حلال کر لیا ہے۔ بہرحال اب دُنیا کے امن کے لیے اور فلاحِ انسانیت کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ وہ لوگ آگے آئیں جو خُدا سے ڈرنے والے اور آخرت میں جواب دہی کا پورا پورا احساس رکھنے والے ہوں، جو نیک اور صالح ہوں۔ اور وہ لوگ پیچھے ہٹیں جنہوں نے اپنی ہوس کے سامنے فتنوں کے سارے دروازے کھول رکھے ہیں اور جن کے دماغوں کو شیطان نے اپنا گھونسلا بنا رکھا ہے۔ اگر دُنیا کو تباہی کی طرف جانے سے روکنا ہے اور اگر خدُا کی زمین کو انسانی خون سے لالہ زار ہونے سے بچانا ہے۔ اگر مسلمانوں میں اپنے معروف کے علمبردار ہونے اور منکر کے ختم کرنے والے ہونے کا احساس باقی ہے اور خدُا کے ہاں جوابدہی کا تصور بھی موجود ہے تو پھر کرنے کا کام یہی ہے کہ وہ لوگ جو خدا کی مقرر کردہ اس میزانِ فضیلت کو قائم کرنا اپنا فرض سمجھتے ہوں وہ اس کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیں۔ جس دن یہ ہو گا اس زمین پر خدُا کی مرضی اُسی دن پوری ہو گی۔

المغنی کے بعد

اسماء الرجال پر ہی ہماری ایک اور نایاب اور عظیم پیش کش

تقریب التھذیب (عربی)

خاتمۃ الحفاظ علامہ ابن حجر العسقلانی کا بلند پایہ علمی شہکار

راویانِ حدیث کے مرتبہ و مقام کی تحقیق کے لیے نہایت جامع اور مستند کتاب

مدارسِ عربیہ کے منتہی طلباء، علماء و فضلاء اور ناقدین و محققین کے لیے ایک ناگزیر تالیف

مضبوط و لایتی کاغذ۔ آفسٹ کتابت و طباعت۔ ریگزین کی حسین و پائدار جلد

سائز ۱۱ × ۷½ ، صفحات ۸۰۰۔ قیمت ۲۵/- روپے

مدارسِ عربیہ اور تاجرانِ کتب کے لیے خصوصی کمیشن

الناشر:- دار نشر الکتب الاسلامیہ

۱۹۔ گورونانک پورہ
گوجرانوالہ